ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

**روبینہ یاسمین**
اسکالر، پی ایچ ڈی، شعبہ اردو، اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور
**اسد محمود خان**
ماہر اردو ادب

# اُردو زبان کی اہمیت۔۔۔۔ موجودہ تناظر میں

**Rubina Yasmin**
Scholar PhD Urdu, Department of Urdu, Islamia College University, Peshwar.
**Asad Mehmood Khan**
Scholar PhD Urdu, Department of Urdu, Islamia College University, Expert, Urdu Literature.

## Importance of Urdu Language....In the current context

Urdu language is the identity, symbol and biggest memorandum of our national and Islamic tradition. It is the trustee of our identity because it rich literature, culture and historical background. Urdu language has proved its importance because of its harmony and vastness. There is no doubt it is world wide popular language, but unfortunately it has not achieved the status that it deserve in their own country Pakistan. Urdu priority is given to English. In this situation we need to consider the due status of our national language that is sign of our identity. In following article enlighted the importance of Urdu.

**Key Words:** *Memorandum, Trustee, Literature, Historical Background, Vastness, Popular Language, National Language.*

زبان جو ایک عضو تکلّم بھی ہے اور بولی بھی۔ اللہ رب العزت نے ہر ذی روح کو زبان جیسی عظیم نعمت سے نوازا ہے۔ انسان اور حیوان میں فرق صرف اتنا ہے کہ انسان کو بولتی زبان کی صلاحیت و طاقت بخشی جب کہ حیوان کو گُنگ زبان سے نوازا۔ جانوروں میں بھی اگرچہ کسی حد تک آوازیں نکالنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے اور ان آوازوں کا مخصوص صورتوں میں رد عمل بھی ہوتا ہے لیکن ان میں کسی قسم کے نشوونما کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس انسان ذہنی اور جسمانی طور پر اس صلاحیت کا بھی حامل ہے کہ زبان کو زیادہ سے زیادہ ترقی دے اور اس کو

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

فکر و اظہار کا ذریعہ بنائے جو انسان کی شخصیت کی نشو و نما کا ایک موئثر ذریعہ ہے۔ یوں زبان ایک طرف اگر آلۂ نطق ہے تو دوسری طرف وسیلہ اظہار بھی۔ اس کے بغیر انسان نہ تو سماج کی تشکیل کر سکتا ہے اور نہ سماج میں معنویت پیدا کر سکتا ہے یعنی زبان ہی وہ چیز ہے جس پر تمام انسانی تعلقات قائم ہیں۔

زبان ایک زندہ اور متحرک شے ہے۔ زبان کے ذریعے انسان میں تفکر و تعقل اور وجدان کی قوتیں نشو و نما پاتی ہیں اور ساتھ ہی ذہن انسانی کی نشو و نما بھی ہوتی رہتی ہے جو مختلف تہذیبی ماحول میں اپنے مفاہیم بدلتی رہتی ہے۔ غرض زبان نے بھی انسان اور اس کی تہذیب کے ساتھ ہی جنم لیا اور پھلتی پھولتی ادلتی بدلتی ہم تک پہنچی۔ اس طرح ذہن کے ارتقا میں زبان کا ایک اہم منصب ہے۔

زبان ہمیشہ زبان سے ہی معرض وجود میں آتی ہے اور یہی حال اُردو زبان کا بھی ہے۔ اُردو زبان کیسے پیدا ہوئی۔ کس طرح ارتقا ہوا۔ کن کن مقامی زبانوں پر اس نے نقش ڈالا اور نقش قبول کیا اور اس میں مسلم ثقافت کی نمود کس طرح ہوئی۔ بہر حال یہ ایک طویل کہانی ہے لیکن اُردو ایک ایسی وسیع القلب اور عظیم ترین زبان ہے جو اپنی ارتقا کے منازل سے گزرتے ہوئے سیاسی، تہذیبی، لسانی، اور معاشرتی تقاضوں کے سہارے پروان چڑھی اور پورے برعظیم کے کونے کونے میں پھیل گئی اور جہاں جہاں مسلمان گئے وہاں وہاں یہ زبان ان کے ذریعے پہنچی اور وہاں کے علاقائی زبانوں کے اثرات کو جذب کر کے اپنی شکل سنوارتی رہی۔ اُردو زبان کا خمیر اور مزاج ہر زبان کے الفاظ کو اپنے اندر سمونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس میں جدید اور زندہ زبانوں کی وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو موجودہ زبانوں میں پائی جاتی ہیں یہ دوسری زبانوں کو بڑی آسانی سے جذب کر لیتی ہے اور وہ الفاظ اجنبی محسوس نہیں ہوتے۔ اس نے سائنس اور علمی اصطلاحوں کو بڑی خوبی سے استعمال کیا ہے۔ اُردو ایک مخلوط زبان ہے جس میں مختلف زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔ عربی، فارسی، پرتگالی، عبرانی، انگریزی، تلگو، تامل، پنجابی، گجراتی، ملتانی، اور برج کے الفاظ اس کے اندر پائے جاتے ہیں۔ کسی خطے کے لیے یہ زبان اجنبی محسوس نہیں کی جاتی۔ خود انگلستان میں اُردو کو ذریعہ اظہار بنانے والوں کی تعداد انگریزی کے بعد تیسرے نمبر پر ہے۔ شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک کسی نہ کسی حیثیت سے اُردو بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس اساس پر ہم اسے ایک وسیع اور بااثر زبان کہہ سکتے ہیں۔ اس طرح یہ آنے والے زمانے کے تقاضوں کا بھرپور ساتھ دے سکتی ہے۔

اُردو ایک ادب خیز اور ادب نواز زبان ہے جس نے تھوڑے ہی عرصے میں شعر و ادب کی تمام اصناف میں ایک بلند مقام حاصل کر لیا ہے جس کو ہر نقطہ نظر سے بلند ادب قرار دیا جا سکتا ہے اور اُردو ادب میں تخلیق ہونے

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

والے بہت سے شاہکار عالمی ادب کے میلے میں شمولیت کی بہترین قابلیت رکھتے ہیں اور ان کا مقابلہ کسی بھی بین الاقوامی ادب سے کیا جا سکتا ہے۔ اُردو میں استفادے اور ترقی کی زبردست طاقت پائی جاتی ہے۔ سید حسین ارشاد اُردو زبان کی اہمیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اُردو زبان وادب کی تاریخ بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ ایک زبان کی پیدائش کی کہانی نہیں اور اس کے بیان میں محض اس کی تخلیقی و تہذیبی قوتوں کا اظہار مقصود نہیں بلکہ یہ ایک قوم کی نشاۃ ثانیہ اس کی ایک بار پھر از سر نو اجتماعی فکر کی ابتدا کا حصہ بھی ہے۔"[(۱)]

اُردو زبان وادب کی تاریخ کا وہی حصہ اسی الگ قومی تصور کی کوشش کے دنوں کی یادگار ہے۔ اسی جدجہد کے دور کے ادب نے یہی سیاسی اثرات قبول کر کے الگ قوم کے ایک فکری انقلاب کی راہیں متعین کیں۔ یوں اُردو زبان جملہ مسلمانان ہند کی قومی شخصیت کی ترجمان ہے اور یہ وہ زبان ہے جو دوسرے صوبائی اور علاقائی زبانوں سے کہیں زیادہ اسلامی ثقافت اور اسلامی روایات کے بہترین سرمائے پر مشتمل ہے۔ اُردو اُسلوبی فکر و نظر کی حامل زبان ہے۔ یہ ہماری تہذیب و ثقافت کی عکاس ہے اور ایک زندہ اور بڑی یادگار بھی۔

دنیا میں کم و بیش تیرہ سو زبانوں میں بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے یہ برصغیر کی سب سے بڑی اور دنیا کی تیسری بڑی لیکن سب سے کم عمر زبان ہے۔ اور مجموعی مسلم شخصیت کی آئینہ دار بھی ہے۔ اُردو کو ہمیشہ مسلمانوں کی زبان ہونے کے طعنے ملے۔ ہندوؤں نے بھی اُردو کی مخالفت اس لیے کی کہ وہ اسے مسلمانوں کی زبان سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ اُردو زبان کو اپنے ارتقا کے دوران مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا اور یوں اُردو پیدا بھی مسلمانوں کے دورِ زوال میں ہوئی۔ ملک دشمن عناصر جب ملی اتحاد پر چوٹ کرنا چاہتے ہیں تو وہ اُردو زبان کو اپنا ہدف بنانا چاہتے ہیں کیوں کہ یہی ہمارے اتحاد کا باعث ہے۔ اُردو زبان تاریخی طور پر ہماری قومی جدوجہد اور تصور قومیت کی مرکزی علامت ہے اور آزادی کی طویل جدوجہد کے دوران اس زبان کے ذریعے ہمارے مسلمان ہونے اور ایک ملت اور قوم ہونے کی شناخت وابستہ تھی اور جس بزرگ عظیم شخصیت نے یہ ملک بنایا تھا۔ اس نے اس کی اہمیت کے پیش نظر پورے ملک کی واحد قومی زبان ہونے کے اہل سمجھا کیوں کہ وہ قوم صحیح طور پر قوم نہیں کہلا سکتی جب تک کسی قوم کی اپنی زبان نہیں ہوتی۔ اپنی ثقافت اور اپنا مذہب نہیں ہوتا۔ لہٰذا پاکستان کے قیام کے بعد پاکستان کو ایک ایسی زبان کی ضرورت تھی جو صوبوں کو کم از کم لسانی طور پر ایک رشتہ وحدت میں پروئے لہٰذا ڈھاکہ کے مقام پر ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو جلسہ عام سے خطاب میں قائداعظمؒ نے واضح الفاظ میں اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

"میں آپ کو واضح طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اُردو ہو گی اور صرف اُردو اور اُردو کے سوا اور کوئی زبان نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایک مشترکہ سرکاری زبان کے بغیر کوئی قوم باہم متحد نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی کام کر سکتی ہے۔"(۲)

اس دوٹوک اعلان سے اُردو پاکستان کی قومی زبان قرار دی گئی اور دنیا میں قومیں جن اوصاف سے پہچانی جاتی ہیں ان میں سے ایک قومی زبان بھی ہے۔ قومی زبان ہی ہر فرد ملک کی اولین محبت اور استعمال کا وسیلہ ہوتی ہے۔ قومی زبان کسی بھی ملک کی تہذیبی و ثقافتی، معاشرتی اور سماجی اقدار کی عکاسی کرتی ہے اور آپس میں ابلاغ کو بہترین ذریعہ ہوتی ہے۔ قومی زبان ہی کسی قوم میں رابطے اور یک جہتی کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ اُردو اور دوسری علاقائی زبانوں میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ ان کے ذخیرہ الفاظ میں گہرا اشتراک پایا جاتا ہے۔ پاکستان کی تمام زبانیں اُردو کے ساتھ لسانی قربت رکھتی ہیں یعنی ان سب کا رسم الخط ایک سا ہے۔ قواعد میں بھی زیادہ فرق نہیں ہے اور تمام لوگ اُردو کو ان خوبیوں کا مالک پاتے ہیں۔ بقول سید ارشاد حسین:

"اُردو مقامی اور علاقائی تہذیبوں کے لسانی اشتراک اور یک جہتی کا نقش اول ہے اور جب تک یہ نقش پائیدار رہے گا علاقائی سالمیت کبھی نہ بکھر سکے گی۔ پاکستان کے ہر علاقے کا مسلمان خواہ وہ سندھی ہو یا پنجابی، پشتون یا سرائیکی، جو زبان وہ آج بول رہا ہے وہ ہماری اُردو ہے۔ یہ سب مقامی زبانیں مشترک الفاظ رکھنے کی وجہ سے اُردو کہلاتی ہیں۔ قومی زبان ان کی مزید ترقی، عزت افزائی اور ہمہ گیر ابلاغ کی اہمیت رکھنے والی صورت ہے۔" (۳)

قومی زبان انہی مشترک عناصر کی وجہ سے رابطے کی زبان بنی اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے قابل فہم قرار پائی۔ پاکستان کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں اُردو بولی اور سمجھی جاتی ہو۔ عوام نے بھی ہمیشہ اس کی سرپرستی کی کیوں کہ مزاجاً یہ عوام کی زبان رہی ہے۔ یوں اُردو کسی مخصوص خطے کی زبان نہیں بلکہ پورے ملک کی زبان ہے۔ تحریک پاکستان سے لے کر تشکیل پاکستان تک طویل اور کٹھن سفر میں ہر لمحہ یہ زبان اس خطے کی باسیوں کی ہمسفر رہی ہے اور آج بھی یہ زبان استحکام پاکستان کی بڑی محرک کے طور پر موجود ہے جو اس کی افادیت اور ایک زندہ و تابندہ زبان ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اس طرح اُردو مسلم ثقافت کی سب سے بڑی یادگار ہونے، اپنے ادبی، ثقافتی، سماجی اور تاریخی پس منظر کی وجہ سے ہمارے تشخص کی آمین ہونے اور اس قدر اہمیت اور پذیرائی کے باوجود اب تک باضابطہ طور پر پاکستان کی سرکاری زبان قرار نہیں دی جا سکی کیوں کہ اگر اُردو ہماری قومی زبان ہے تو اُردو کا اس طرح قومی

زبان ہونا چاہیے جس سے اکتساب عام، تحصیل عام اور استعمال کی بنا پر سارے ملک میں رابطے کی ایک شکل خود بخود پیدا ہو جائے لہٰذا اُردو صرف رابطے کی زبان ہی نہیں بلکہ قومی زبان بھی ہے۔ اسے محض رابطے کی زبان کہہ دینا قومی زبان کی توہین ہے کیوں کہ جہاں ملک میں کہیں بھی استعمال نہ ہو اور صوبوں میں بھی بری نظر سے دیکھی جاتی ہو اور پھر بھی قومی زبان کہلائے تو ایسی قومی زبان کے کچھ معنی نہیں رہتے۔ بلاشبہ یہ رابطے کی زبان ہے مگر یہ پورے ملک کی قومی اُمنگوں اور ملی جذبوں کی زبان بھی ہے۔

سوچنے کا مقام تو یہ ہے کہ جب اُردو زبان میں قومی زبان بننے کے تمام اوصاف پائے جاتے ہیں۔ اس میں ادب ہے، علم بھی ہے۔ جب اتنا سب کچھ ہے اور سب سے بڑی بات کہ دوسری زبانوں سے زیادہ ہے تو اسے اس منصب سے محروم رکھنے پر اصرار کیوں ہے اور اس سے چڑ کیوں ہے۔؟ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ ملت کی شیرازہ بندی کر سکتی ہے اور یہی شے ملک دشمن عناصر کو گوارا نہیں۔ جس تصور کے تحت مملکت پاکستان کا وجود عمل میں آیا تھا اور جس تہذیب نے ہمیں ایک رشتے میں باندھا ہوا ہے بالکل اس طرح قومی زبان نے بھی ہمیں اپنے مضبوط حصار میں جکڑ رکھا ہے اور آج اسی زبان کی وسعت اور تاریخ کو پاکستانیت کے نام سے محدود کیا جا رہا ہے۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ کچھ لوگوں نے اُردو کو بحثیت قومی زبان سے تسلیم ہی نہیں کیا۔ آج ہمیں آزاد ہوئے اکہتر برس ہونے کو ہیں۔ اس عرصہ میں ہزاروں حوادث و واقعات رونما ہوئے۔ ان حوادث و واقعات کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ پاکستان میں زبان کے مسئلے کو ہمیشہ پس پشت رکھا گیا اور اسے وہ اہمیت نہ دی گئی جو اسے ملنی چاہیے تھی۔

ملک کی تقسیم نے تو اُردو کو ہندوستان کی مشترکہ نظام حیات میں اپنی اصلی روح اور اپنی اصلی فطرت اور روایات سے منقطع ہونے کے خطرے سے قطعی طور پر بچا لیا لیکن آج بد قسمتی سے اسے اپنے ہی ملک پاکستان میں یہ صورت حال درپیش ہے کہ قومی زبان کو اپنا حق منوانے کے لیے اپنی ہی قوم سے لڑنا پڑ رہا ہے۔ آج تک اسے اس کا اپنا جائز حق اور مقام نہیں ملا۔ ہم بحیثیت پاکستانی زبان کی اہمیت سے تو آگاہ نہیں لیکن فرنگی کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہے کہ زبان ہی ایسی قوت ہے جس کی بنیاد پر نہ صرف عوام کو ملایا جاتا ہے بلکہ لڑایا بھی جا سکتا ہے۔ اس لیے انہوں نے ہندوستان کو فتح کر لینے کے بعد اس قوم کی خودی کو مجروح کرنے اور انہیں ذہنی طور پر مغلوب کرنے کے لیے سب سے پہلے مسلمانوں کے علوم کے ساتھ ساتھ اس کی زبانوں پر بھی ہاتھ ڈالا۔ اس وقت مسلمانوں کی مرکب تہذیب کی تین زبانیں تھیں جس میں عربی، فارسی اور اُردو زبان شامل ہیں، انگریزوں نے اُردو ہی کے نام کو ہندوستان میں بدلا۔ زبان کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی با آسانی لگایا جا سکتا ہے کہ کہتے ہیں کہ "اگر کسی قوم کو تباہ کرنا

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ہو تو اس کی زبان کو تباہ کر دو وہ قوم خود ہی تباہ ہو جائے گی" ۔ کیوں کہ قومی زبان کی حیثیت قوم کے لیے آغوش مادر کی مانند ہوتی ہے ۔ جس طرح بن ماں کے بچے کی شخصیت مریضانہ رجحانات کی آماجگاہ بن جاتی ہے بالکل اسی طرح قومی زبان کے بغیر قوم محبت اور شفقت کی آسودگی کے اس گہرے احساس سے محروم رہتی ہے جو انفرادیت اور تشخص پر مبنی ہوتا ہے۔

آج بحیثیت قوم ہم عجیب و غریب آشوب چشم میں مبتلا ہو چکے ہیں کہ سات آسمان کے ستارے تو دیکھ سکتے ہیں لیکن سامنے کی چیزیں ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ ان سامنے کی چیزوں میں ہمارا قیمتی قومی سرمایہ زبان سر فہرست ہے۔ ہماری اس سے بڑھ کر اور کیا بد قسمتی ہو سکتی ہے کہ ہم صرف انہی امور میں شکوک و شبہات کے شکار ہیں جن پر پوری قوم کی بنیاد کا انحصار ہے اور یہ بات اس قدر واضح اور دو ٹوک ہے کہ اسے اجاگر کرنے کے لیے مثالوں اور تشبیہات کی ضرورت نہیں ہونی چاہیئے۔

آج اُردو کو ایک کمرے میں بند رکھنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ یہ صورت حال نہ صرف غیر منصفانہ ہے بلکہ خطرناک نتائج کا پیش خیمہ بھی۔ ہمارے فرنگی نواز طبقے نے ذہنی طور پر تا حال آزادی کی کھلی اور مکمل فضا کو دل سے قبول نہیں کیا اور وہی بدنام زمانہ خود کو انگریزوں کے بعد تمام آزاد پاکستانیوں کو اپنا غلام خیال کرتی ہے، تبھی تو قومی زبان کو بحیثیت مکمل سرکاری زبان کے نافذ کرنے میں روڑے اٹکا رہی ہے۔ پاکستان میں جب بھی اُردو زبان کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ نسلی غرور جنوں برتری اور نفرت انگیز تعصب بھی وابستہ کر دیا جاتا ہے جو مغرب کے استعماری نیشنلزم کا ثمر ہے۔ ہم آج بُری طرح احساس کمتری میں مبتلا ہیں۔ ہر مقام پر انگریزی کو ترجیح دیتے ہیں۔ آج ہمارے معاشرے کے بازاروں اور گھروں کے اندر پائے جانے والی ایشیا کی روحانی زبان انگریزی ہو چکی ہے۔ تمام اچھے سکولوں کا ذریعہ تعلیم انگریزی ہے۔ تمام اچھی ملازمتیں صرف ان لوگوں کے لیے مخصوص ہیں جو انگریزی میں روانی سے بات کر سکیں۔ نصاب سازاُردو کتابوں پر ہندسے انگریزی میں لکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُردو تحریر کے نیچے دستخط بھی انگریزی میں بڑے فخر و دبدبے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ انگریزی زبان کو تفوق اور برتری کی علامت بنا دیا ہے۔ امریکن کلچر بہترین اسلوب حیات یہاں تک کہ انگریزی زبان کی برتری کی بیمار ذہنیت کو دیہات تک پھیلا دیا گیا ہے اور اس زبان کو جاننے والے خود کو عزت مآب کہلواتے ہیں۔ یہ مقام ہماری قومی زبان اُردو کو ملنا چاہیے تھا۔ انگریزی زبان یوں تو ایک زبان ہے لیکن یہاں اسے زبان سے زیادہ قابلیت، شعور اور عقل کا نام دیا جاتا ہے۔ آج پورا ملک پاکستان انگریزی کلچر کو فروغ دینے کے لیے جگہ جگہ کوچنگ سنٹر سے بھرا پڑا ہے اور مقابلے کی جنگ شروع

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ہے۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کہ انگریزی کس حد تک ضروری ہے کیوں کہ وہ ایک بین الاقوامی زبان ہے۔ انگریزی کو پڑھنا ضرور چاہیے مگر اس کی آڑ میں انگریز بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ انگریزی کا بے جا غلبہ اور قبضہ ہماری ملی حیثیت کی توہین ہے اور عملی لحاظ سے ملکی اور قومی مصلحتوں کے لیے بے حد خطرناک اور افسوس ناک ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> " ہمارے ہاں جس طرح اقدار وہ معیارات کو سیاست نے تباہ کیا ،زبان بھی اسی طرح سیاست کی نذر ہو گئی۔ پاکستان غالباًواحد ایسا ملک ہے جہاں انگریزی کو غیر ضروری طور پر بالا دستی حاصل ہے۔ زبان عوام میں یگانگت اور اخوت کا ذریعہ بنتی ہے مگر ہمارے ہاں اس کا رواج نہیں۔ ہمارے ہاں زبان طبقاتی امتیاز کا باعث ہو رہی ہے۔ بے حد مہنگے انگلش میڈیم سکول جس کی علامت ہیں۔ اسی لیے انگریزی اشرافیہ کی زبان ہے۔ اعلیٰ مقام کی زبان ہے، سرکار دربار کی زبان ہے جب کہ ہم کمی کمین اُردو کو سینہ سے لگائے بیٹھے ہیں۔"(۴)

انگریزی زبان کو اپنی زبان پر مسلط کر کے ہم نے اپنے فکری اور تہذیبی سانچے کو توڑ رکھ دیا ہے۔ دنیا کی نظر میں ہم سربلند قوم کہلانے کی بجائے ذلیل وخوار ہو رہے ہیں۔ حتیٰ کہ نسل نو تو ایک مرعوب قوم بن کر رہ گئی ہے ۔ہم نہ سچے مسلمان رہے اور نہ سچے پاکستانی۔ انگریزی کی بالادستی پر اصرار ملک دشمنی سے کم نہیں اور اسی زبان نے ہمارے اندر دشمن تصورات کو پختہ کر دیا ہے۔بقول حالیؔ:

اُردو کے دھنی وہ ہیں جو ہیں دلی کے روڑے　　　کیا واسطہ اُردو سے ہے پنجاب و دکن کو
حالیؔ کو تو بدنام کیا اس کے وطن نے　　　پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو (۵)

اس وقت ملک لسانی، جغرافیائی اور مذہبی تفرقہ پروری میں الجھا ہوا ہے اور پاکستان میں سندھی ،بلوچی ،پٹھان اور پنجابی کی راگ الاپی جارہی ہے مگر ہم ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھنے کی بجائے آئے روز پھر وہی غلطیاں دہرا رہے ہیں۔ دینی اقدار سمیت ہم ابھی تک کسی فیصلہ کن لائحہ عمل پر متفق نہیں ہو سکے۔

دنیا کی تمام آزاد قومیں اپنی زبان پر فخر کرتی ہیں اپنی قومی زبان کو ذریعہ تعلیم بناتی ہیں۔ دنیا کے ہر خطے میں ہونے والے ریسرچ کو اپنی زبان میں منتقل کرتی ہیں۔ جاپان، فرانس، جرمنی، روس، ترکی، کوریا، اور ایران سب اپنی قومی زبان کو ترقی دینے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ چین جس پر سامراجی قوتوں کا غلبہ تھا اور آزادی بھی ہمارے بعد حاصل کی لیکن آزادی کے بعد انہوں نے اپنی قومی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا اور اس میں تمام علوم کی

تدریس شروع کی اور اپنی چینی زبان کو اپنا کر وہ ترقی اور وہ مقام حاصل کیا جس پر دنیا رشک کرتی ہے اور آج وہ ہر اعتبار سے دنیا کی تیسری بڑی قوم ہے اور دنیا کی سب سے بڑی قوت ہے۔

ادھر ہم پاکستانی اس مغالطے میں مبتلا ہیں کہ سمجھتے ہیں کہ ہم انگریزی کو ترک کر کے علمی دنیا سے کٹ جائیں گے۔ یہ ہماری بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ اس وقت دنیا کا ہر ملک اپنی زبان کو ذریعہ تعلیم بنائے ہوئے ہے۔ اور انگریزی مادری زبان والے ملکوں کے سوا انگریزی کو دفتر اور ذریعہ تعلیم میں کہیں بھی اولین جگہ حاصل نہیں جب یہ دنیا کے کسی ملک میں ناگزیر نہیں اور کوئی ملک بھی علمی اور تہذیبی لحاظ سے باقی دنیا سے نہیں کٹا تو اکیلا پاکستان کیسے کٹ جائے گا۔ یہ محض اُردو کی مخالفت کا ایک ڈھنگ ہے لہٰذا اس مغالطے کا ازالہ لازمی ہے۔ ضرورت کے مطابق اس کو اپنی حد میں رکھ کر استفادہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ انگریزی کو بطور مضمون پڑھانا چاہیئے برائے دبدبہ نہیں۔ ہمیں اس بات کا بالکل قائل نہیں ہونا چاہیئے کہ کوئی غیر ملکی زبان وہ تمام درجہ حاصل کرے جو اس کا حق بھی نہیں اور وہ بھی ایک ایسے آزاد ملک میں جن کی اپنی قومی زبان ہو لیکن اسے اس مقام سے محروم رکھا جارہا ہو۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ آزاد قوم ہونے کے باوجود ہماری روایات بھی مغربی ہیں اور ہماری زبان بھی مستعار ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مانگے تانگے کی زبان کے ذریعے گفتگو کرنے والے قومی فکر سے بیگانہ اور ملی آبرو سے محروم ہوتے ہیں۔ ہر سطح پر ہم سب نے انگریزی کی خاطر اُردو سے سخت بے مہری کا سلوک کیا ہے کیوں کہ انگریزی میں بات کرنے سے رعب زیادہ پڑتا ہے اور شاید وقار کا مسئلہ بھی ہو۔

کسی بھی معاشرے کی صحیح ترجمانی اس کا اَدب کرتا ہے لیکن کچھ ادبا اُردو زبان کو اس قدر ثقیل بناتے ہیں کہ جو ادب عوام کے لیے تخلیق ہوتا ہے وہ خود ہی ایسے مشکل الفاظ اور مرصع زبان سے دور بھاگ رہے ہیں۔ مشکل زبان لکھنے والوں کی اپنی ہی بے سلقیگی اور بد ذوقی کی علامت ٹھہرتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب مضمون کے پاس الفاظ کا ذخیرہ وافر ہے مگر قدرت نے اس شخص کو تخاطب کی قوت سے محروم رکھا ہے۔ اُردو کی اعلیٰ اور ترقی پذیر صلاحیتوں سے انکار ممکن نہیں مگر موجودہ حالات میں لوگ ادیبوں اور عالموں کی مرصع زبان سے تنگ آکر اُردو سے اپنا دامن نہ چھڑا لیں۔ ادب کی سلاست، گہرائی اور کشش اتنی نمایاں ہونی چاہیے کہ لوگوں کے دل خود بخود اس کی طرف کھنچیں۔ لہٰذا ہمارے ادیبوں اور عالموں کو حتی الامکان مشکل زبان لکھنے سے گریز کرنا چاہیے تا کہ اُردو ادب اپنی پیداوار اور اشاعت کے لحاظ سے سب کے لیے قابل قبول ہو اور زیادہ سے زیادہ ابلاغ بھی ممکن ہو سکے۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

اُردو زبان کو کمزور بنانے کی ایک بڑی وجہ ہمارے جدید شعرا کا اپنے اشعار کی بحروں سے ناواقف ہونے کی بھی ہے۔ اس کے علاوہ ایک ایسی فضا بنی ہوئی ہے جس میں صحیح تلفظ اور وزن کے ساتھ اشعار پڑھنے کے لیے درکار اعراب اور صوتی موزونیت کی ضرورت کا احساس ختم ہو تا جارہا ہے نئے دور کے ادیبوں کو آج کے برق رفتار تغیرات سے پیدا ہونے والی افراتفری کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کی دنیا پر خاص حد تک سائنس اور ٹیکنالوجی نے مکمل طور پر غلبہ حاصل کر لیا ہے اور یہ ترقی اُردو کے لیے ایک چیلنج ہے۔ اُردو شعرا ادبا اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اس کے ساتھ قدم ملا کر چل بھی سکتے ہیں اور اتنے آگے جاسکتے ہیں جہاں تک پہنچنا سائنس کے لیے ممکن ہی نہیں اور یہی وہ فوقیت ہے جو سائنس داں پر بھی اُردو حضرات کو حاصل ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ماضی کے علاوہ حال اور مستقبل بھی اُردو ہی کا ہو۔

کسی زبان کی زندگی اس امر پر بھی منحصر ہے کہ اس کی اعلیٰ پیمانہ پر تدریس ہو رہی ہے یا نہیں۔ بد قسمتی سے یہاں بھی اُردو زبان کو پیچھے رکھا گیا ہے۔ اُردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لیے آج تک کوئی باقاعدہ اور خاص پیش رفت نہیں ہوئی۔ خود اپنے ہی لوگ اُردو کو تعلیم کی زبان نہیں بننے دیتے۔ اسے دفتروں اور کاروبار میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ اس سلسلے میں مرکزی اور اہم ترین مسئلہ قومی تعلیم و تدریس کا ہے۔ جو کہ قومی رفاقت سے محروم ہے۔ اس حوالے سے معین الدین لکھتے ہیں:

> " ہماری درسگاہوں کے اندر اُردو زبان میں مختلف علوم کی کتابیں ہمیشہ کم یاب رہی ہیں۔ حصول آزادی کے بعد بوجوہ نہ صرف اُردو کے ذریعے تعلیم دینے کے مواقع محدود ہوئے بلکہ اُردو کی درسی کتابوں کا تو فقدان ہی ہو کر رہ گیا۔ گذشتہ چالیس برسوں میں خود اُردو کی تدریس سے متعلق گنتی کی دو چار کتابیں ہی منظر عام پر آئی ہیں اور ابتدائی مدارس میں اُردو کے طریقہ تعلیم سے متعلق تو کوئی بھی قابل لحاظ کام سر انجام نہیں پایا ہے۔ "[۶]

اس ضمن میں صرف نام کی حد تک توجہ ہی دیکھنے کو ملتی ہے اور یہی صورت حال اُردو زبان کے حصول اور فروغ میں مزید دشواری کا باعث بنتی ہے۔ تدریسی کتب بدلتے ہوئے سماجی اور سیاسی ماحول کا ساتھ دینے کی قابلیت نہیں رکھتے لہٰذا اُردو کی تعلیم کے طریقوں اور قاعدوں کو عصری آگہی عطا کی جائے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ اور فوری اقدامات ابتدائی منزل پر تدریس کی بہتری کے لیے کیے جانے چاہئیں اور موضوعات کے نظری رخ پر نگاہ

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

رکھنے کے عملی پہلوؤں کی اشد ضرورت محسوس کی جاتی ہے اور زبان کی بنیادی ساخت کا علم حاصل کیے بغیر زبان سیکھنا مشکل ہی نہیں محال بھی ہے۔

درسی کتاب کی موجودگی میں اساتذہ کو بھی جولانی طبع دکھانے کا موقع نہیں ملتا اور وہ درسی کتاب کے پابند ہو کر رہ جاتے ہیں چوں کہ ان میں جدید اور تازہ معلومات کا فقدان اور ان کی تیاری میں علمی نقطۂ نظر کو بہت کم ملحوظ رکھا جاتا ہے اور نہ طلبہ کے انفرادی معیار کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اس لیے وہ ان کتابوں سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھاپاتے اور اس مضمون سے دلچسپی پیدا نہیں ہو پاتی اور وہ طوعاً و کرہاً یہ مضمون پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ آج ہماری بچے اُردو میں ایک دو تین تک نہیں جانتے اور نہ پڑھ سکتے ہیں لہٰذا اساتذہ کو طلبہ کے دل میں اُردو کے مضمون کے لیے دلچسپی کے مواقع اور آسانیاں پیدا کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

آج وہ وقت اور صلاحیتیں جو ہمارے طلبہ ایک غیر ملکی زبان سیکھنے میں صرف کرتے ہیں انہیں اگر براہ راست اُردو علوم کی تحصیل کے لیے صرف کیا جائے تو قومی نقطۂ نظر سے بہت سے خوش گوار نتائج بر آمد ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک دفتری اور سرکاری معاملات کا تعلق ہے تو وہ تدریسی معیار سے کم درجے کی ہیں۔ جب اُردو ان اعلیٰ معیارو ں پر پوری اتر سکتی ہے تو یقیناً تمام اہم ضروریات بھی پوری کر سکنے کی مکمل طاقت رکھتی ہے۔ دفتروں اور عدالتوں میں انگریزی زبان کے استعمال کا کوئی جواز ہی نہیں کیوں کہ ان میں کام کرنے والے ابتدا سے آخر تک دیسی لوگ ہی ہیں۔ یہ اپنے لیے ایک الگ مسئلہ ہے کہ بعض صاحبان اپنے دیسی ہونے پر نادم ہیں۔ ایسے لوگ ذہنی طور پر معذور کہلاتے ہیں۔ آج کتنے ہی ملازمین سرکار، افسران، حکومت اور طبقہ حکمران، پاکستانی کہلوانے کے باوجود اُردو میں دستخط بھی کرتے ہوں گے۔ انگریزی زبان کو اپنے اوپر لازماً اپنانا احمقانہ، بہیمانہ بلکہ حد درجے خطرناک فعل ہے۔

ملک میں اُردو کے لیے غیر معمولی جذبہ آج بھی موجود ہے جو بعض اوقات اس لیے محسوس نہیں ہوتا کہ اس کی سرگرمیاں منظم نہیں۔ غرض یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ پاکستان کے طول و عرض میں آج تک اُردو کی اس تہذیبی اہمیت کا حقیقی احساس پیدا کرنے کی کوئی منظم کوشش ظہور میں نہیں آئی جو تاریخ نے اسے عطا کی ہے کیوں کہ ہماری قوم کی نظر ابھی تک زندگی کی تہذیبی بنیادوں اور اس کی گہرائیوں تک نہیں پہنچی۔ اُردو زبان کو تولٹے پٹے ہندوستانی مسلمان اپنی بچی کھچی پونجی اور کسی متاع عزیز کی طرح اپنے ساتھ لائے تھے تو اس کی حفاظت، خبر گیری و احترام ہم سب پاکستانیوں کا اہم قومی فریضہ بنتا ہے۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

اُردو زبان کو اگر آج ان تمام مسائل کا سامنا ہے تو وہ عدم مفاہمت اور بد گمانیوں کی وجہ سے ہے اور ان انگریزی پرست بیوروکریسی کی ریشہ دوانیوں کے باعث جو پاکستان کو انگریزی کا ملک بنانے پر بضد ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ہم بحیثیت ایک قوم قومی نفس سے ناآشنا ہیں۔ تبھی تو آج انتشار فکر، تخلیقی جمود اور معاشرے کے بنجر پن کی صورت میں ہمیں مل رہا ہے۔ ہم تخلیق کے خوش بو سے محروم ہیں۔ اس لیے اقبال کے الفاظ میں اغیار کے افکار و تخیل کی گہرائی سے معاشرے کے لیے خوش بو درآمد کر رہے ہیں۔ حالاں کہ ہماری زبان میں الفاظ و تراکیب ،اصطلاحات و علامات کی فراوانی، اظہار بیان کی شگفتگی اور ہر وہ بات موجود ہے جو کسی بھی بین الاقوامی زبان کا خاصہ ہوتا ہے۔ اگر کسی چیز کی کمی ہے تو وہ جرأت رندانہ کی ہے۔ لہٰذا اُردو زبان کو اس کا جائز مقام دینے کے لیے جرأت رندانہ سے کام لینا پڑے گا اور یہ وہ جذبہ ہے جو غیرت ملی سے پیدا ہوتا ہے اور غیرت کے لیے دل میں قومی وقار کا کماحقہ احساس ضروری ہے کیوں کہ زندہ اور غیرت مند قومیں اپنی زبان کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا کرتیں بلکہ اس پر فخر و ناز کرتی ہیں۔ لہٰذا اس بات کی اشد ترین ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ یہ احساس یقین کے سانچے میں ڈھل جائے اور اگر ایسا نہ ہوا تو اُردو زبان کے ہوتے ہوئے بھی ہم پسماندہ اور یتیم ہی رہیں گے۔

ابھی بھی وقت ہاتھ سے گیا نہیں اگر قومی زبان کو ذریعہ تعلیم کی حیثیت دے دی جائے۔ اسے دفتری زبان بنایا جائے۔ ملکی ضرورتوں کے مطابق اس کی قومی و سرکاری حیثیت تسلیم کی جائے۔ اُردو زبان کو باثروت بنانے کی کوشش کی جائے اور انگریزی پر بے جا زور دینے کی حکمت عملی ترک کر دی جائے۔ اس کو اپنا جائز اور قانونی حق دے دیا جائے تو وہ وقت دور نہیں جب قومی ترقی کی رفتار اوج ثریا پر کمند ڈال لے۔

اُردو زبان کی اہمیت کو اجاگر کرنے اور اس کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لیے کسی بھی منصوبے اور پروگرام کی اشد ضرورت ہے جس کی تکمیل کے لیے ارباب حکومت اہل علم و ادب اور عامتہ الناس کو متفقہ طور پر اپنے اپنے فرائض انجام دینے پڑیں گے۔ امید ہے کہ ہمارے ماہرین تعلیم اور احباب حل وعقد اس اہم مسئلہ پر غور و فکر کریں گے اور اگر ان کی طرف عوامی حکومت ذرا بھی توجہ کرے تو یہ مسئلہ مختصر عرصہ میں حل ہو سکتا ہے کیوں کہ اُردو ہی پاکستان میں گزشتہ عظمت کی یادگار ہے اور اسی کے وجود کے اندر مسلمانوں کی تاریخ کے نشیب و فراز پوشیدہ ہیں۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

## حوالہ جات


۱۔ سید ارشاد حسین "اُردو ہے جس کا نام" لاہور، بک ہوم، ۲۰۱۷ء ص ۱۲

۲۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ "تحریک نفاذ اُردو" ، مقتدرہ قومی زبان پاکستان ۲۰۰۵ء ص ۴۸

۳۔ سید ارشاد حسین "اُردو ہے جس کا نام" لاہور، بک ہوم، ۲۰۱۷ء ص ۲۳

۴۔ ڈاکٹر سلیم اختر، "اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" ۲۰۱۰ء ص ۱۰۰

۵۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ "تحریک نفاذ اُردو" ، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۰۵ء، ص ۴۱۹

۶۔ معین الدین "ہم اُردو کیسے پڑھائیں" لاہور، اُردو بازار پاکستان، ۱۹۸۶ء